(غلام گردش)

ہم ایسے کیوں ہیں!

ذاتی اورقومی رویے، باقی دنیا سے اس قدر مختلف ہیں کہ ہم اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔مختلف کی بجائے متضاد کا لفظ زیادہ مناسب ہوگا۔میری دانست میں اردولغت میں کوئی ایسا محاورہ ،لفظ یا جملہ موجود نہیں ہے جو پوری دنیا سے مختلف ہمارے عمل اور ردِعمل کی ترجمانی کر سکے۔اس حقیقت کا شعور ملک کے سنجیدہ طبقہ کوتو ہے مگر عوام کی اکثریت غیر ممالک کے ہمارے متعلق رجہان کو ایک سازش گردانتی ہے۔انکے خیال میں ہم لوگ مکمل طور پر درست ہیں۔پوری دنیا غلط ہے۔جہاں بھی سازش کا ذکر ہوگا، وہاں یہود و ہنود کا ذکر کرنا لازم ہے۔یعنی پوری دنیا کے غیر مسلم صبح اُٹھ کر صرف ایک کام کرتے ہیں۔ہمارے عظیم ملک کے خلاف کوئی منفی سازش کرتے ہیں اور یہ سب کچھ رات تک مسلسل ہوتا رہتا ہے۔طالبعلم کی دانست میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔پانچ چھ دہائیوں سے مسلسل برین واشنگ سے ہمیں جس ذہنی پستی کی طرف لیجایا گیا ہے،اسکا کوئی حل یا علاج فی الحال ممکن نہیں ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ اس موضوع پر لکھنے کیلئے بھی بہت کم لوگ تیار ہوتے ہیں۔خصوصاً اردو میں اکثر لکھاری اس صورتحال سے مفر اختیار کرتے ہیں۔

عناصر تو بے شمار ہیں۔کچھ لکھے جاسکتے ہیں اور کچھ پر بات کرنا جان لیوا ثابت ہوسکتا ہے۔گردن زنی ہوسکتی ہے۔ان عناصر کو کسی ترتیب سے بھی پیش کرنا ناممکن ہے۔کیونکہ ہر لکھاری کی ترتیب بھی ذاتی نوعیت کی ہوتی ہے۔پہلی بات تو یہ کہ ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ہمیں شدید عدم تحفظ کا شکار بنا دیا گیا ہے۔یہ منفی جذبہ اتنا توانا ہوگیا ہے کہ ملکی سطح تو کیا، ذاتی سطح پر بھی ہر شخص اپنے آپکو غیر محفوظ سمجھتا ہے۔عدم تحفظ کی بے شمار وجوہات ہیں۔صرف ایک حکمتِ عملی کی بدولت نہیں ہوا۔جس دن سے ملک وجود میں آیا، اس دن سے ہمیں بتایا گیا کہ ہندوستان ہمیں ختم کرنا چاہتا ہے۔صرف مہینوں یا دنوں کی بات ہے۔یہاں کوئی بڑا لکھاری یا دانشور جرات نہیں کرسکتا کہ تحریر کرے کہ گاندھی نے صرف اس وجہ سے بھوک ہڑتال کر رکھی تھی کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت، پاکستان کو معائدے کے برعکس مالیاتی وسائل دینے سے اجتناب کر رہی تھی۔گاندھی نے مرن بھرت صرف اسلیے رکھا تھا کہ ہمارے ملک کو اسکے جائز مالی حقوق دیے جاسکیں۔آج تک کسی نے اس سچ کو لوگوں کے سامنے نہیں رکھا۔ہمیں کوئی یہ بھی نہیں بتاتا کہ قائداعظم نے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان تعلقات کو امریکہ اور کینیڈا کی طرز پر استوار کرنے پر زور دیا تھا۔قائداعظم کی اس فرمان کو کبھی بھی مباحثوں میں سامنے لاتے ہوئے نہیں دیکھیں گے۔پہلے دن سے ہمارے ذہن میں یہ خیال پیوست کر دیا گیا کہ دنیا، بالخصوص اسرائیل اور ہندوستان، ہمارے وجود کے درپے ہیں۔اس عدم تحفظ کو اس طرز پر بڑھاوا دیا گیا کہ اب ہر پاکستانی اسکو حقیقت سمجھتا ہے۔بدقسمتی سے ہندوستان میں بی جے پی کی حکومت نے وہی ذہنی انجینئرنگ کرنی شروع کر دی ہے جو برسوں سے ہمارے معاشرے میں جاری تھی۔اب نفرت کی دیوار اس قدر مضبوط ہے کہ کوئی اسے عبور نہیں کرسکتا۔کرے گا تو اسے زندہ درگور کر دیا جائیگا۔طالبعلم کی دانست میں موجودہ عدم تحفظ ہماری صلاحیتوں کو دیمک کی طرح چاٹ چکا ہے۔جو بھی انڈیا سے صلح کی بات کریگا، غدار کہلائے گا۔اداروں اور رہنماؤں کی ایک طویل فہرست ہے جو عدم تحفظ کے جذبے کو بڑھا کر حیران کن مالی فوائد حاصل کر رہے ہیں۔آنے والے دنوں میں یہ عدم تحفظ بڑھے گا اور ملک کو مزید گھمبیر حالات سے

دوچار کردیگا۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ ہم نے مجموعی طور پر اپنے دین پر عمل کرنے کی بجائے اسے سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا شروع کردیا۔ بے شمار مثالیں ہیں۔ اسلام جیسے انقلابی مذہب کو اپنی زندگی پر لاگو نہیں کیا۔ سچ بولنا، انصاف کرنا، کمزور کے مالی وسائل کی حفاظت کرنا، اعتدال پسندی کو اختیار کرنا اور اس طرح کے اَن گنت سنہری اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر دین کو صرف بحث کرنے کیلیئے استعمال کرنا شروع کردیا۔ جس ملک میں پچانوے فیصد مسلمان ہوں، وہاں دینی سیاسی جماعتوں کے وجود کی کیا ضرورت ہے؟ وہاں الیکشن کے دوران " کتاب " کے انتخابی نشان کو مذہبی حوالے سے کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟ کیا یہاں یہ بحث ہوسکتی ہے کہ ہمارے ہی ملک کے سابقہ حصے یعنی بنگلہ دیش میں مذہبی سیاسی جماعتوں پر پابندی سے انکو فائدہ ہوا ہے یا نہیں؟ آپ یہ بات ذرا کر کے تو دیکھیے، فوراً بے رحمانہ تنقید کا نشانہ بنایا جائیگا۔ جب یہ بات ہمارے مقتدر طبقے کو سمجھ آئی، تو اس نے دین کے سیاسی استعمال کو اوج ثریا پر پہنچا دیا۔ ملک کی دولت لوٹ کر مذہبی رسومات پر اس طرح عمل کیا گیا کہ عام لوگ انہیں بے حد نیک اور ایماندار سمجھنے لگے۔ ہمارے ملک میں فائیو سٹار عمرے اور حج کو بھی تجارتی سرپرستی ملی۔ یعنی امیر آدمی کیلیئے مذہبی احکامات کی بجا آوری بڑے آرام بلکہ عیش سے ہوں۔ وہ چارٹرڈ طیارے پر سعودی عرب جائیں۔ فائیو سٹار ہوٹلوں میں قیام کریں۔ ہر وقت درجنوں طرح کے کھانے ان کیلیئے مخصوص ہوں۔ صحرا میں بھی انکے خیمے ائیر کنڈیشن ہوں۔ انکے ساتھ اَٹیچ باتھ ہو۔ مگر ہمارے ہی ملک کے عام آدمی کیلیئے حجِ مقدس میں معمولی سی سہولتیں بھی مہیا نہیں کی جاتیں۔ موضوع سے ہٹ کر عرض کرونگا کہ ہر حج پر سرکاری ملازم جاتے ہیں۔ انکے ذمہ یہ کام ہوتا ہے کہ حاجیوں کیلیئے عمارتوں میں ممکنہ سہولیات دیں۔ کھانا بھی مہیا کرنے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ایک جونیئر اہلکار نے بتایا کہ انہیں اوپر سے حکم ملا ہے کہ بچا ہوا کھانا پھینکنا نہیں۔ بلکہ اگلے دن نئے کھانے میں ملا کر دوبارہ پیش کردینا ہے۔ اس سے جو پیسے بچیں گے، انکو اوپر سے لیکر نیچے تک تقسیم کردیا جائیگا۔ اس اہلکار نے یہ کام کرنے سے انکار کردیا۔ مگر تمام دوسرے لوگ بالکل ویسے ہی کرتے رہے، جو حکم دیا گیا تھا۔ کوئی دس بارہ سال کی بات نہیں کر رہا۔ سب کچھ حالیہ سالوں میں بڑے طریقے اور قرینے سے ہوتا رہا ہے۔ جو لوگ، حج میں بھی عام آدمی کی جیب کاٹنے میں مصروف رہتے ہیں، ان سے خیر کی توقع کرنا، عبث ہے۔ بلکہ بیوقوفی ہے۔ اب یہاں کوئی اس موضوع پر لکھ نہیں سکتا کہ دین کو سیاسی یا مالیاتی بنیادوں پر استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے کسی اور ملک میں رَتی بھر بھی دلچسپی نہیں۔ مگر کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں کہ سعودی عرب کا ولی عہد بیان دے کہ اسکے ملک نے ایک خاص مسلک کو مغربی حکومتوں کی تجاویز پر عمل کرتے ہوئے پھیلایا۔ کیا یہ انتہائی تکلیف دہ بات نہیں کہ وہ برادر ملک جسکی ہم باقاعدہ نقل یا تقلید کرتے ہیں۔ عوامی سطح پر اپنی سابقہ حکومتی مذہبی روایات کو غلط قرار دے رہا ہے۔ پورے معاشرے کو عملی تبدیلی کی طرف لیجا رہا ہے۔ سعودی عرب کا طرزِ عمل اپنی جگہ، پر ہمارے ملک کو ہوش کب آئیگا۔ کب تک ہم اس اَمر کی اجازت دینگے کہ ہمارا مقتدر طبقہ، دین کا نام استعمال کر کے ہمیں ہر طریقے سے لوٹتا رہے۔ بلکہ ہمیں بیوقوف بناتا رہے۔

تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی ذمہ داری خود نہیں لیتے بلکہ دوسروں پر ڈال دیتے ہیں۔ ہر شخص، جس بھی مرتبہ اور عہدہ پر ہو، وہ کسی قسم کی کوئی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں۔ کیا آپ یقین فرمائینگے کہ سب سے کامیاب بیوروکریٹ کون ہیں۔ وہ لوگ

جو پوری عمر کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ ہر چیز کو ٹالتے رہتے ہیں۔ فائلوں پر اعتراضات در اعتراضات لگاتے رہتے ہیں۔ سائل انکے دفتروں کے چکر لگا لگا کر مایوس ہو جاتے ہیں۔ آنا چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر انکے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ یہ افسران یا اہلکار، اپنا کام کرنے کی بجائے ہر وقت دوسروں پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ ہر وہ افسر، جو عام آدمیوں سے خوش اخلاقی سے ملے، انکے جائز کام مستعدی سے کرے، ان کلاکاروں کے نزدیک کرپٹ ہے۔ اس حکمتِ عملی پر کام کرنے والے سرکاری ملازم ہر وقت اپنی ایمانداری اور بڑے پن کا ڈھول پیٹتے ہیں۔ انکے نزدیک، دوسرے تمام لوگ بے ایمان اور چور ہیں۔ فیصلہ نہ کرنے کی کمزوری کو جونیئر عملے کی کوتاہی بتا کر اس طرح بری الذمہ ہو جاتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ یہ مرض سرکاری شعبوں میں تو موجود ہے ہی، مگر نجی شعبہ بھی اس سے بری الذمہ نہیں۔ مگر وہاں سیٹھ کی کوتاہی کا ذکر کرنا بھی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے مک میں کامیابی کا نسخہ بالکل سادہ سا ہے۔ کوئی ذمہ داری نہ لو، کوئی فیصلہ نہ کرو، بس ہر چیز دوسروں پر ڈال دو۔ اگر کوئی فیصلہ کرنے کا وقت آئے تو فوراً سینئر لوگوں کے پاس جا کر پوچھنا شروع کر دو کہ بتایئے حضور، اس فائل پر کیا لکھنا ہے۔ شخصی اعتبار کے اس رویہ کو اب آپ ملکی سطح پر لے جایئے۔ حکومت بلکہ کوئی بھی حکومت، اپنی پالیسی کے ردِعمل کو اپنانے سے گریز کرتی ہے۔ ہم اس ڈھٹائی سے قرضے لیتے ہیں، کہ قرضے دینے والے ادارے ڈر جاتے ہیں۔ ورلڈ بینک اور دیگر اداروں سے بھیک مانگ کر قومی خزانہ بھرتے ہیں اور پھر سیاسی بلکہ ہر طرح کا کریڈٹ لینے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ حالیہ مثال ڈالر کی خوفناک اُڑان اور پیسہ کی قدر میں گراوٹ ہے۔ مگر ہمارے وزیرِ خزانہ نے یہ زوال اپنے ذمہ نہیں لیا۔ یہ نہیں کہا کہ ملکی قرضے تو میں خود لیتا رہا ہوں۔ بلکہ اسکے بالکل برعکس تمام ذمہ داری چند ہفتے پہلے بننے والی مالیاتی ٹیم پر ڈال دی۔ المیہ یہ ہے کہ تمام مالیاتی اداروں میں وزیرِ خزانہ کے تعینات بندے آج بھی کام کر رہے ہیں۔ مگر جہاں ذمہ داری لینے کی بات آئی، فوراً اعلان ہوا، کہ کوتاہی تو میری نہیں، بلکہ نئی ٹیم کی ہے۔ یہ صرف ایک مثال ہے۔ اس طرح کی ہزاروں مثالیں ہمارے اردگرد بکھری ہوئی ہیں۔

بے شمار نکات ہیں جن پر طویل بحث ہو سکتی ہے۔ ہر نکتہ کو محض ایک کالم میں لکھنا ناممکن ہے۔ کئی اہم عناصر لکھ ہی نہیں پایا۔ مگر سوچنے کی بات ہے کہ کیا ہم اپنے عدم تحفظ کو تحفظ میں بدلنے کے عملی اقدامات کرنے کی جرات کر سکتے ہیں۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ دین کو سیاسی طور پر ہرگز ہرگز استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ کیا یہاں کوئی نالائق ترین مگر کامیاب سرکاری افسر، کاروباری شخص یا ادارہ، کبھی اپنی غلطی تسلیم کرنے کی ہمت کر سکتا ہے۔ قطعاً نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہم دنیا کے کامیاب ملکوں کے ساتھ کندھا ملا کر چلنے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے۔ وہ بدقسمت قوم ہیں جس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے آپکو خود برباد کیا ہے۔ مگر مجھے سمجھ نہیں آتا کہ ہم ایسے کیوں ہیں!

راؤ منظر حیات